Majallah-e-Tahqeeq (ISSN 1991-699X)
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 46 Sr. No.141, 2025 pp 93 - 109

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۴۶، شمارہ ۱۴۱، اکتوبر۔دسمبر ۲۰۲۵ء

اردو افسانے میں غیر انسانی مخلوقات: تحقیق و تنقید

☆ڈاکٹر محمد نصر اللہ

Abstract:

The inhuman creatures are mentioned not only in the myths but also in all the genres of literature. In this article, especially in the context of Urdu short story, the lives of animals, tress, and birds are analyzed. The death of inhuman being from the hands of human being is the main topic of Urdu short story. In Urdu fiction the reference to inhuman characters has come as a mere inhuman creatures, while somewhere as a symbol or metaphor.

Keywords: Urdu fiction, Myths, World literature, Animal, Birds, Tress.

زمانہ قدیم سے آج تک مختلف ادیبوں نے انسانوں ہی نہیں، جانوروں، درختوں، پرندوں اور حشرات الارض کی کہانیاں بھی لکھی ہیں۔ قدیم افسانوی ادب کے چار بڑے موضوعات میں سے ایک موضوع حیوانیوں کہانیوں سے متعلق تھا۔ انسانی زندگی کے ابتدائی سفر میں جانوروں اور انسانوں کا باہمی تعلق آج سے مختلف نوعیت کا تھا۔ اس تعلق سے متعلق گیان چند جین لکھتے ہیں:

> ''وحشی انسان کو انسان اور حیوان میں کوئی بڑا فرق نہ دکھائی دیتا تھا۔ بعض جانور اس سے کہیں زیادہ قوی اور پرشکوہ تھے۔ اکثر اس سے تیز چل یا اڑ سکتے تھے۔ بعض کی بصارت اس سے کہیں تیز تھی تو اکثر کی قوت شامہ بے پناہ تھی، انسان کا عقیدہ تھا کہ بدروحیں اور بعض اوقات دیوتا بھی جانوروں کے جامے میں انسانوں کے درمیان آ کر رہتے ہیں۔ اکثر قبائل میں حیات بعد ممات یا تناسخ ارواح کا تصور تھا۔ اس لیے جانوروں کو انسانی روح اور انسانی اوصاف سے متصف کر دیا جاتا تھا۔''(۱)

☆ لیکچرار (اردو)، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

افسانے اور ناول سے پہلے داستانوں اور داستانوں سے بھی پہلے غیر انسانی مخلوقات سے متعلق کہانیاں لکھنے کا آغاز قدیم مصر میں ہوا۔ یہیں سے سفر کرتے ہوئے یہ کہانیاں مغربی ایشیا اور بابل میں جا کر ایسپ کہانیوں اور مشرق میں حکایات لقمان کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ابن حنیف کی تحقیق کے مطابق جانوروں سے متعلق سب سے قدیم پند آموز کہانیاں ایسپ نے نہیں لکھیں؛ بلکہ وہ سومیریوں سے دستیاب ہوئیں۔ بقول ابن حنیف:

> ''اب یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ ایسپ سے منسوب جانوروں کی سبق آموز کہانیاں خود ایسپ سے کہیں پہلے تخلیق کی جا چکی تھیں۔ نہ صرف تخلیق بلکہ لکھی بھی جا چکی تھیں اور ایسپ ہی سے منسوب مخصوص نوعیت کی متذکرہ قسم کی کہانیاں اس کی پیدائش سے ایک ہزار قبل سومیر میں تخلیق و تحریر ہو چکی تھیں۔'' (۲)

یونانی اور ہندوستانی اساطیر میں خاص طور پر عجیب الخلقت مخلوقات کا ذکر ملتا ہے۔ یونانی اساطیر میں ایک جانور کا سر شیر کا تو جسم بکری کا ہوتا ہے۔ کہیں سر شیر کا تو جسم خاتون کا۔ اسی طرح ہندوستانی اساطیر میں بعض دیوتا ایسے ہیں جن کا آدھا دھڑ انسان سے اور آدھا جانور سے مشابہت رکھتا ہے۔ جیسے گنیش کا سر ہاتھی کا اور نچلا حصہ انسان کا ہے۔ ہنومان کا سر بندر کا؛ لیکن باقی حصہ انسان سے مماثل ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہندوستان میں دیوتاؤں کے علاوہ آج بھی گائے کی پوجا کی جاتی ہے۔ یہاں واضح رہے کہ عام جانوروں کی کہانیوں اور اساطیر میں فرق ہوتا ہے۔ اصحاب کہف کے کتے اور ہنومان کے بندر کا شمار اساطیر میں؛ جبکہ کلیہ و دمنہ اور حکایات لقمان کا شمار جانوروں سے متعلق عام کہانیوں میں ہوگا۔

اساطیر کے علاوہ فکشن میں بھی غیر انسانی مخلوقات کا ذکر مختلف ادیبوں کے فن پاروں میں ملتا ہے۔ اتالو کالوینو کے ناول ''درخت نشیں'' کا مرکزی کردار اپنے گھر والوں کے رویے سے نالاں ہو کے اپنی ساری زندگی جنگل میں درختوں کے اوپر گزار دیتا ہے۔ درخت عمر بھر اس کی زندگی کے لیے محفوظ پناہ گاہ کا کام دیتے ہیں۔ یوجین بورجیس کی ''دیمک کی کہانی'' میں دیمک کی زندگی کے نمایاں پہلوؤں کو سامنے لایا گیا ہے۔

عربوں کی لوک کتھاؤں میں جانوروں اور پرندوں کا ذکر ان کی مخصوص عادات کی مناسبت سے آیا ہے۔ عربوں کے مشہور اور ہر دل عزیز عنترہ کے قصے میں گھوڑے کا کردار مرکزی کردار کے طور پر آیا ہے

۔ فارسی ادب میں خواجہ فریدالدین کی حکایت ''منطق الطیر''میں پرندے مرکزی کردار ہیں۔ انگریزی ادب میں جارج آرول کے ناول ''اینی مل فارم''میں بوڑھے میجر، نپولین اور سنوبال کے کردار کارل مارکس، اسٹالن اور ٹروٹسکی کے حیوانی روپ ہیں۔ سنسکرت میں ''پنچ تنتر''حیوانی کہانیوں کا بڑا ذخیرہ ہے۔ ہندوستان میں مہابھارت اور جاتک حیوانی کہانیوں کا بڑا مخزن ہیں۔ پنجابی میں الیاس گھمن کی کتاب ''جنور باتاں''میں جانوروں سے متعلق کہانیاں ملتی ہیں۔ چین میں مقبول لوک کہانیوں میں حیوانی کرداروں کا ذکر ملتا ہے۔ جرمن لوک کہانیوں اور افسانوں میں بھی غیر انسانی کرداروں کا ذکر ملتا ہے۔ جرمن افسانہ نگاروں میں فرانز کافکا کا مشہور افسانہ ''قلب ماہیت'' ہے جس کا ہیرو صبح سو کر اٹھتا ہے تو دیکھتا ہے کہ وہ ایک بہت بڑے مکوڑے میں بدل چکا ہے۔ ایشیائی (برما، سری لنکا، ہندوستان، پاکستان، تبت، ویت نام، ملیشیا، انڈونیشیا اور فلپائن) لوک کہانیوں کے واقعات بھی جانوروں اور پرندوں کے اردگرد گھومتے ہیں۔ ان کہانیوں میں نیکی اور بدی کے درمیان تصادم کے نتیجے میں بالعموم نیکی ہی کی فتح ہوتی ہے۔

انسانی زندگی کے آغاز سے لے کر اب تک کرہ ارض پر جانوروں، درختوں اور پرندوں کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اپنے آغاز سے لے کر آج تک نوع انسان نے ان مخلوقات سے بہت کچھ حاصل کیا۔ یہ انسانی مخلوق ہی کی طرح اس زمین کا حصہ ہیں۔ ان مخلوقات کا بھی اس زمین پر اتنا ہی حق ہے جتنا کہ انسان کا۔ ان مخلوقات کے بغیر زندگی کا تصور کرنا ایک ویرانے کا تصور کرنے کے ہم معنی ہے۔ اساطیر سمیت، ادبیات عالم کی تمام اصناف میں ان مخلوقات کے دنیا پر حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ مشہور جرمن رائٹر گنٹر گراس کی بہت سی کتابوں کا مرکز کوئی نہ کوئی حیوان ہوتا ہے۔ ایک انٹرویو میں وہ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں:

> ''ہم انسانوں کے بارے میں بہت زیادہ کلام کرتے ہیں۔ دنیا انسانوں کے ہجوم سے بھری ہوئی ہے، لیکن چرندوں، پرندوں مچھلیوں اور کیڑے مکوڑوں سے بھی تو ہے۔ یہ یہاں ہمارے آنے سے پہلے تھے اور اگر وہ دن آیا کہ انسان باقی نہ رہے تو بھی یہ یہاں موجود رہیں گے۔۔۔ ہمیں سیکھنا ہوگا کہ اس کرہ ارض پر صرف ہم ہی نہیں رہتے۔''(۳)

ہم سب جانتے ہیں کہ اپنی سربراہی، بزرگی، نیابت اور خدائی کا دعوی کرنے والی اس مخلوق کو ہر زمانے میں اپنے خیالات پر از سر نو غور کرنے کی ضرورت رہی ہے۔ اپنے زمانوں کی سماجی، سیاسی اور ثقافتی صورت حال کے پیش نظر اس ضرورت کی طرف ہر زمانے کے ادیبوں نے اپنے اپنے تئیں توجہ دلائی ہے۔

اردو افسانہ بھی غیر انسانی مخلوقات سے ہمارے تعلقات کی نوع بہ نوع صورت حال کا غیر جانبداری سے سامنا کرتا ہے۔

ابتدائی اردو افسانے سے لے کر آج تک اردو کے قریباً ہر افسانہ نگار نے غیر انسانی مخلوقات سے متعلق ایک دو کہانیاں ضرور لکھی ہیں۔ رومانوی افسانے میں سجاد حیدر یلدرم کے افسانہ ''چڑیا چڑے کی کہانی'' میں عورت اور مرد کی کہانی پرندے کے ذریعے بیان کی گئی۔ سماجی حقیقت نگار پریم چند کے کچھ افسانوی کردار جانوروں سے محبت کرتے، انھیں اپنی زندگی کا ساتھی سمجھتے اور کچھ کردار ان کے ساتھ ظالمانہ سلوک کرتے ہیں۔ مثلاً افسانہ ''پوس کی رات'' کے مرکزی کردار ہلکو کا وفادار ساتھی ایک کتا (جبرا) ہے۔ وہ ہلکو کی تنہائیوں کا ساتھی ہے۔ شدید ٹھنڈ کی رات میں ہلکو کے سو جانے کے بعد وہ اس کے کھیتوں کو نیل گایوں سے بچانے کی ان تھک کوشش کرتا ہے؛ مگر ناکام ہو کے بھی اپنی وفاداری میں کامیاب رہتا ہے۔ وہ موت قبول کر لیتا ہے؛ مگر نیل گایوں کا مقابلہ کرنے سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ دوسری طرف افسانہ ''راہ نجات'' کے کردار جھینگر اور بدھو ایک دوسرے سے بدلہ لینے کے لیے گائے، بھیڑوں اور کھیتوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ ''راہ نجات'' میں گائے کو دانستہ مارا جاتا ہے؛ جبکہ شمشیر سنگھ نرولا کے افسانے ''گئو ہتیا'' میں گائے کی موت سیتل کے ہاتھوں انجانے میں ہوتی ہے۔ پریم چند کے افسانہ ''دو بیل'' کے مرکزی کردار ہیرا اور موتی (بیل) اتحاد، قربانی اور ہمت کے جذبات لیے اپنے مالک جھوری کے ساتھ وفاداری کا دم بھرتے اور ظلم کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا استعارہ بنتے ہیں۔

ترقی پسند افسانہ نگاروں میں علی عباس حسینی کے افسانہ ''رفیق تنہائی'' کے مرکزی کردار قربان میاں کی تنہائیوں کا ساتھی بس ایک کتا ہے۔ محلے کے چند شرارتی بچے کتے کے گلے میں چھچھوندریں ڈال کر اسے تڑپنے کے لیے تنہا چھوڑ دیتے ہیں کہ قربان میاں سے یہ سب دیکھا نہیں جاتا۔ وہ اپنے ساتھی کی جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں کہ انھیں خود آگ لگ جاتی ہے۔ دونوں ساتھی زمانے کی لگائی آگ میں جل جاتے ہیں۔

مارکسی تناظر میں ''رفیق تنہائی'' کی دوسری جہت یہ ہے کہ حکیم صاحب کی بیوی قربان میاں کو اپنے مکان کے مردانہ حصے میں بہ ظاہر جذبہ ہمدردی کے تحت پناہ دیتی ہے؛ مگر حقیقت میں جذبہ خودغرضی کے تحت کہ اس رہائش کے بدلے وہ قربان میاں سے گھر کے سارے کام مفت میں لینا چاہتی ہے۔ ممکن ہے

اسی خود غرضانہ سماجی رویے کی وجہ سے قربان میاں نے اپنے اندر موجود محبت کے جذبات کے اظہار کے لیے کسی انسان کا نہیں؛ ایک جانور کا انتخاب کیا ہو۔

منٹو کے افسانہ ''ہتک'' کی سوگندھی بھی افسانے کے اختتام پر کتے کو گلے لگا لیتی ہے تو اس کی وجہ تمام انسانی رشتوں سے مایوسی تھی۔ اردو افسانے میں کتے کا کردار ایک مخلص اور وفادار دوست کے طور پر آیا ہے۔ مثلاً سید رفیق حسین کے افسانہ ''کلوا'' کا کتا ایک بچے کی جان بچانے کی خاطر اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ اشفاق احمد کے افسانہ ''فہیم'' میں بھی کتا فہیم کے نانا سے وفاداری کرتے ہوئے جان قربان کر دیتا ہے۔

راجندر سنگھ بیدی کے افسانہ ''بلی کا بچہ'' کے دونوں مرکزی کردار بھی سماجی نظام کے خلاف اپنے اپنے طریقے سے بغاوت کرتے ہیں۔ بلی کا بچہ مصروف سڑک کے عین درمیان میں آ کر بیٹھ جاتا ہے؛ نتیجے میں ٹریفک کا نظام معطل ہو کے رہ جاتا ہے۔ اسی بلی کے بچے کو دیکھ کے، افسانے کا دوسرا مرکزی کردار، افسانے کا راوی، جو غریب ہے، جس کے پاس اپنے بچے کو دودھ پلانے کے لیے پیسے نہیں ہیں، جسے اس کا مالک بھی پیشگی کچھ رقم دینے سے انکار کر چھوڑتا ہے، بلی کے بچے کو سڑک پہ بیٹھے دیکھ کے اس کے ذہن میں خیال آتا ہے کہ وہ بھی احتجاجاً اپنا بچہ سڑک کے عین بیچ میں رکھ دے کہ اگر بلی کے بچے کی وجہ سے ٹریفک کا نظام رک سکتا ہے تو انسانی بچے کی وجہ سے نہیں کیوں نہیں۔ افسانے کا وہ ٹکڑا قابل ذکر ہے جس میں بلی کا بچہ اس دھرتی پہ اپنے حق کی بات کرتا ہے:

> ''شاید بلی کے بچے کا مطلب تھا، دھرتی کے اس حصے پر تمھارا حق ہے تو میرا بھی۔۔۔ میں اس پہ کھیلوں گا۔۔۔ تم دن رات اس پہ چلتے ہو۔ آج میں آ بیٹھا ہوں تو آفت آ گئی۔ تم تو بڑی بڑی مشینوں کے ساتھ دندناتے پھرتے ہو۔ میں چلتا ہوں تو آواز بھی نہیں ہوتی۔''
> (۴)

حیوان اور انسان دونوں کرداروں کی بغاوت بلواسطہ طور پر مارکسی نکتہ نظر کی ترجمانی کرتی ہے؛ مگر راجندر سنگھ بیدی کے افسانوں کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے افسانے ترقی پسند تحریک کے نظریات کی سولی نہیں چڑھتے؛ بلکہ ان کے افسانوی کرداروں کی داخلی دنیا ان کے ادب کو ادبیت بخشتی ہے۔

خواجہ احمد عباس کے افسانہ ''ابابلیں'' کا مرکزی کردار رحیم اپنے بیوی بچوں پر ظلم و ستم کرتا ہے۔

تنگ آ کر اس کا خاندان اس کا گھر چھوڑ دیتا ہے۔اپنے تنہا گھر میں اسے بلی نظر آتی ہے تو اسے بھی دم سے پکڑ کر باہر پھینک دیتا ہے۔ایک روز گھر میں رحیم کو ابابیلوں کا گونسلہ نظر آتا ہے تو وہ ان پر بھی حملہ کر دیتا ہے۔ ؛نتیجے میں مادہ ابابیل اپنے ننھے بچوں اور خود کو بچانے کی خاطر رحیم پر حملہ کر دیتی ہے۔رحیم مزید مزاحمت کرنے کے بجائے ابابیل کو اپنے گھر میں قبول کر لیتا ہے۔افسانے کا بیان کنندہ ترقی پسندانہ نظریات کے پیش نظر بلواسطہ طور پر عورت اور اس کے بچوں کو بھی اپنے شوہر اور باپ کے خلاف جنگ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

اساطیر، عالمی ادب، ابتدائی (رومانوی، سماجی حقیقت نگاری کے زیر اثر لکھے گئے افسانے) اور ترقی پسند افسانے میں انسانوں کی غیر انسانی مخلوقات سے تعلقات کی نوعیت کا اجمالی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم (انسان) اپنے پیچھے ایک لمبا سفر طے کر کے جدید زمانے میں آ گئے ؛مگر آج تک انفرادی و اجتماعی سطح پر ہم اپنے ساتھ بسنے والی مخلوقات سے کوئی ایسا تعلق قائم کرنے میں ناکام رہے جو تعلق ان کے وجود یا ہمارے ضمیر کے لیے گھاٹے کا سودا نہ ہو۔ہم میں سے بہت سے لوگ اپنے ذاتی داخلی یقین کے ساتھ یہ نہیں جانتے کہ اپنے گھروں میں آئے روز آنے والے چوہوں، بلیوں کے ساتھ آخر کار کیا برتاؤ کیا جائے؟ خالدہ حسین (جدید اردو افسانہ نگار) کے افسانہ ''دشمن'' کی مرکزی کردار اپنے گھر میں انسانی ہاتھ سے چوہے کی موت کے بعد اسی کشمکش سے دو چار ہوتی ہے کہ چوہے کو مارنا جائز عمل تھا یا ناجائز؟

واضح رہے کہ اردو افسانہ غیر انسانی مخلوقات سے تعلق کے معاملے میں اس کشمکش کو کم سے کم موضوع بناتا ہے۔اردو افسانوی کردار غیر انسانی مخلوقات کے معاملے میں زیادہ تر خودسری سے کام لیتے ہیں۔اس خودسری کی مختلف شکلوں کا دنیا بھر کے ادیبوں نے مشاہدہ کیا اور اپنی تحریروں میں اس کے خلاف احتجاج کیا ہے۔مثلاً خالدہ حسین ہی کے افسانہ ''فنکار'' میں گھوڑے کو انسانوں کا دل پرچانے کی خاطر سدھایا جاتا ہے۔سانول سنگلاخ وادیوں میں آزاد زندگی بسر کرنا چاہتا ہے ؛مگر اسے مار پیٹ کر ناچنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

> ''قدیرے نے سانول کی کمر پر قمچیاں برسانا شروع کیں۔دھیرے دھیرے اس کا سر دائیں بائیں گھومنے لگا۔ڈھول کی تال پر اور پھر میں نے دیکھا۔میں نے دیکھا کہ سانول کی آنکھ سے ایک آنسو نکل کے چہرے پہ پھسل گیا۔پھر لگاتار آنسو ٹپکنے لگے۔

خاموش آنسو۔سنگلاخ وادیوں میں کلبلیں بھرتی ان کی ٹولیاں۔ چمکتے باوقار جسم
اور گھنی ایالوں اور طرح دار چالوں اور شعلے اڑاتے سموں کی یورش۔سینوں میں
بھری آزاد اڑانیں، سب ایک چابک کے سامنے سرنگوں تھیں۔صرف ایک
چابک جو دنیا کے ایک سرے سے دوسرے تک محیط ہے۔''(۵)

یہ چابک دنیا کے چند طاقت ور انسانوں کے ہاتھ میں ہے۔ کچھ طاقت ور اس زمین پر خدا کے نائب ہونے کا دعوی کرتے ہیں تو کچھ خود کو زمین کا خدا سمجھتے ہیں۔

خامدہ حسین کے علاوہ جدید اردو افسانے میں انتظار حسین کے بیشتر افسانوں میں جانوروں، درختوں، پرندوں اور حشرات الارض کا ذکر ملتا ہے۔مگر'' آخری آدمی''،'' زرد کتا''،'' کایا کلپ''،'' ٹانگیں''، '' کچھوے''،'' برہمن بکرا''،'' چیلیں''،'' بندر کہانی'' اور'' مور نامہ'' خاص طور پر قابل ذکر افسانے ہیں۔انور سجاد کے افسانوں میں'' گائے''،'' پتھر لہو کتا'' اور'' پرندے کی کہانی' قابل ذکر ہیں۔ دیوندر اسر کا'' کالی بلی ''میں کالی بلی انسانی ذات کے تاریک حصے کی علامت ہے جسے دیکھنے ،جس کا سامنا کرنے سے وہ ڈرتا ہے۔رشید امجد کے افسانہ'' طوطے کی موت'' اور خالدہ حسین کے افسانوں'' پرندہ''،'' چھپکلی''،'' مکڑی'' اور'' درخت' میں غیر انسانی مخلوقات کا ذکر ملتا ہے۔

منشا یاد کے افسانے'' سانپ اور صدا'' میں سانپ کا'' پنج کلیان'' میں بھینس کا،'' پھلوں سے لدی شاخیں'' میں بلی کا،'' چیزیں اپنے تعلق سے پہچانی جاتی ہیں'' میں گھوڑی کا،'' جھیل اور مچھلی'' میں مچھلی کا اور،'' بکری شیر اور گھاٹ'' میں بکری اور شیر کا اور،'' ایک تھی فاختہ'' میں فاختہ کا ذکر اہم کرداروں کے طور پر آیا ہے ۔ درختوں کے حوالے سے منشا یاد کے افسانے،'' درخت آدمی'' اور'' ننگا پیڑ'' قابل ذکر ہیں۔ احمد داؤد کے افسانے'' سانپ کی سرگذشت'' اور'' جڑیں''، رضوان احمد کا افسانہ '' تلاش ہما''محمود واجد کا افسانہ'' گڈریا، بھیڑیں اور چراگاہ''،شمشاد احمد کے افسانے،'' بھیڑیا'' اور'' خرگوش'' میں غیر انسانی مخلوقات کا ذکر ملتا ہے ۔احمد جاوید کے افسانوی مجموعہ'' چڑیا گھر'' کے تمام افسانوں میں جانور اور پرندے مرکزی کرداروں کے طور پر آئے ہیں۔مرزا حامد بیگ کے افسانوں میں بھی جانور اور پرندے بغیر کسی معنویت کے نہیں آئے۔مثلاً افسانہ''مغل سرائے'' میں گیدڑ اور دیگر جانوروں کی ملی جلی آوازیں مارشل لا کے خلاف ایک آواز ہیں۔ضیا الحق کے دور کے ظلم و جبر اور کلاشنکوف کلچر نے جو صورت حال پیدا کی ، اس کا ذکر اس افسانے میں کیا گیا

ہے۔اس افسانے میں طالبان ازم کا بھی ذکر کیا گیا۔افسانے میں طالبان کو جانوروں کے مانند قرار دیا گیا۔ افسانہ ''نقالوں کی رات'' میں جس گھوڑے کا ذکر آیا ہے وہ ہمیشہ مجرموں کا ساتھ دیتا دکھائی دیتا ہے۔افسانہ '' سانڈنی سوار'' میں اونٹنی کا ذکر ملتا ہے۔اس افسانے کی اونٹنی خیر کی نمایندہ ہے۔افسانہ ''حکم نامہ'' اور ''راجا جی کی سواری'' میں بھی گھوڑا مجرموں کا ساتھ دیتا ہے۔افسانہ '' کالی زبان'' میں گھوڑی بیک وقت خیر اور شر کا ساتھ دیتی ہے۔

اردو افسانے میں انسانی بچوں اور جانوروں کی محبت مثالی ہے۔ بچے فطرت کی اولین سطح پر زندگی گزارتے ہیں۔ وہ اپنے دل میں جانوروں اور پرندوں کے لیے خاص طور پر محبت محسوس کرتے ہیں۔ اکثر بچوں کی پہلی محبت کوئی نہ کوئی جانور یا پرندہ ہوتا ہے۔ ننھے بچے جانوروں سے باتیں کرتے؛ اشرف وارزل کی تفریق کے بغیر ان سے پیار کرتے ہیں۔اردو میں اشفاق احمد (کسی مخصوص تحریک یا رجحان سے وابستہ نہیں) کے افسانوں میں بالخصوص جانوروں اور بچوں کی محبت اہم موضوع بنی ہے۔اشفاق احمد کے افسانہ '' تلاش'' میں احسان کی اپنے جیکی ؛ یعنی کتے کے ساتھ محبت مثالی ہے۔احسان اور جیکی کی محبت کی راہ میں اس کی ماں رکاوٹ بنتی ہے۔وہ جیکی کو گھر سے باہر پھنکوا دیتی ہے۔احسان جیکی کی واپسی کے لیے دعائیں کرتا ہے۔ وہ اس کو تلاش کرتا ہوا گھر سے باہر نکل جاتا ہے تو اس کی ماں اپنے بیٹے کو۔افسانے میں ایک طرف احسان کی اپنے کتے کے لیے اور دوسری طرف ماں کی اپنے بیٹے کے لیے یکساں تڑپ دکھائی گئی ہے۔ افسانہ '' گل ٹریا'' میں بھی ایک بچے اور کتے کی محبت کو موضوع بنایا گیا ہے۔افسانہ '' بابا'' کی مرکزی کردار ایلن ایک بچھڑے کی جان بچاتے ہوئے اپنی جان کی بازی ہار جاتی ہے۔

افسانہ '' گاتو'' میں ننھے قیوم کی اپنی بلی کے لیے محبت مثالی ہے۔ قیوم کا باپ نیاز بیگم کے دفتر میں کام کرتا ہے۔ نیاز بیگم کا دل قیوم کی بلی پر آجاتا ہے۔ننھا قیوم بہت تڑپتا ہے؛ مگر وہ اس کی بلی ہتھیا لیتی ہے۔ قیوم اپنی بلی واپس لینے کے لیے نیاز بیگم کے گھر پہنچ جاتا ہے؛ مگر وہ اسے مار مار کر بھگا دیتی ہے۔ نیاز بیگم کا ایک بچے کے ساتھ یہ رویہ اس کے ادنا سطح پر جینے کے مرادف ہے۔

افسانہ '' ایک ہی بولی'' میں سید کرم شاہ اپنی دیسی گھوڑی کرنیل صاحب کے ولایتی مشکی گھوڑے سے بھرانا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے ملازم گاموکو کرنیل صاحب کے گھوڑے کے پاس بھیجتے ہیں۔ گاموکوشش کے باوجود اپنی گھوڑی کا ولایتی گھوڑے سے ملاپ کرانے میں ناکام رہتا ہے۔گھوڑی یسین مراثی کے ٹٹو

کے ساتھ جا چمٹتی ہے۔ سید کرم شاہ گھوڑی کے اس عمل پر گاموا اور گھوڑی کی ماں دونوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ افسانہ ''ننگ ناموس'' عزت اور غیرت کے موضوع پر لکھا گیا انوکھا افسانہ ہے۔ ملک، دارا کی بیوی سے ناجائز تعلقات قائم کرتا ہے۔ دارا اس بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے ملک کی پالی ہوئی کتی کو مسلیوں کے ڈبو کے آگے پھینک دیتا ہے۔ ملک کتیا کو اپنی ننگ ناموس سمجھتا ہے۔ وہ اپنی مریضانہ سوچ کا کچھ یوں اظہار کرتا ہے:

''گدھی کے پتر یہ کتی نہیں میری دھی ہے۔ میری ننگ ناموس ہے۔ میری گھر والی اودھل جائے میری دھی نکل جائے ایک غم نہیں پر اس کوٹھری کا دروازہ کیوں کھلا رہ گیا۔'' (۶)

اردو میں یہ واحد افسانہ نہیں جس میں جانور کو انسان پر ترجیح دی گئی ہے؛ بلکہ غلام عباس کے افسانہ ''چکر'' کا سارے دن کا تھکا ہارا ضعیف چیلا رام (سیٹھ کا منشی) بھی گھوڑے کی حد سے زیادہ سیوہ ہوتے دیکھتا ہے تو اگلے جنم میں انسان نہیں، گھوڑا بننے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ اشفاق احمد کے افسانہ ''بچھیری'' میں ایک گھوڑی کو انسانی وجود سے اس قدر ارفع سمجھا جاتا ہے کہ ایک ملازم کا گھوڑی کو ہاتھ لگانا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اردو کے بیشتر انسانی افسانوی کرداروں کا غیر انسانی مخلوقات کے ساتھ تعلق غیر متوازن نظر آتا ہے؛ یعنی کہیں جانوروں کو حد سے زیادہ اہم سمجھا گیا ہے تو کہیں حد سے زیادہ حقیر۔

بانو قدسیہ کے افسانہ ''بکری اور چرواہا'' میں مشرقی عورت کو بکری اور مشرقی مرد کو اس چرواہے کے مماثل قرار دیا گیا ہے جو عورت کو اپنے حصار میں یوں باندھ لیتا ہے کہ اس کے چلے جانے کے بعد عورت ساری دنیا اپنے سامنے ہونے کے باوجود جینے کا تصور نہیں باندھ پاتی۔ عاتق شاہ کے افسانہ ''گائے'' میں گائے کو مشرقی عورت کے مماثل قرار دے کر مردوں کو طنز کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

بانو قدسیہ کے افسانہ ''ٹائیگرازم'' میں شیر اور گیدڑ مرکزی کردار ہیں۔ شیر جنگل میں سب کو اکٹھا اور برابر دیکھنا چاہتا ہے؛ مگر گیدڑ اس کے خواب کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ زندگی سے متعلق شیر کے خیالات مثالیت پسندی اور امید کے نمائندہ ہیں؛ جبکہ گیدڑ کے خیالات مایوسی اور حقیقت کے نمائندہ ہیں۔ افسانہ ''شوق ہاتھی کا، سواری چوہے دل کی'' نفسیاتی افسانہ ہے۔ علی بلی کے بچے کو ہر صورت حاصل کرنا چاہتا ہے؛ وہ اسے مل جاتا ہے تو وہ اسے چھوڑ دیتا ہے۔ اب اس کے دل میں عائشہ کی خواہش کی جاگتی ہے؛ مگر وہ اس خواہش کی تکمیل سے پہلے ہی اس خواہش کے انجام کی حقیقت سے خوف کھانے لگتا ہے۔

غیر وابستہ افسانہ نگاروں میں سید رفیق حسین کے تمام افسانوی کردار جانور اور انسان ہیں۔ سید رفیق حسین کے تمام کرداروں کا سفر موت کی طرف دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً ''کفارہ'' میں بہاری، بلدیو کے بیٹے، شیرنی اور بچے کی موت ہوتی ہے۔ ''کلوا'' میں کتا منن (انسانی کردار) کی خاطر جان قربان کر دیتا ہے۔ ''بیرو'' میں شیر اور ریچھ ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے فنا ہو جاتے ہیں۔ ''آئینہ حیرت'' میں بندریا لینڈ سلائیڈ کا شکار ہو کر جان کی بازی ہار جاتی ہے۔ ''ہر فرعونے راموسی'' میں بدل اور کانے ہاتھی کی موت ہوتی ہے۔ ''شیریں فرہاد'' میں بلی اپنے عاشق کے ہاتھوں مر جاتی ہے۔ ''بے زبان'' میں گھوڑی اور گونگی عورت پر بھی جبلت مرگ حاوی ہے۔ سید رفیق حسین کے تمام انسانی اور حیوانی کردار تقدیر کے بے رحم قوانین کی زد میں زندگی کاٹتے ہیں۔ وہ ہر جگہ پر بے اختیار اور کسی جبری قوت کے رحم و کرم کے زیر اثر دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً ''کفارہ'' میں شیرنی بے بس ہو کر بہاری پر حملہ کرتی ہے اور بالآخر آدم خور ہو کر اپنی اور اپنے بچے کی جان کی دشمن بن جاتی ہے۔ پھر اسی شیرنی کے زندہ رہ جانے والے بچے کو عمر بھر کٹہرے کی سلاخوں کے پیچھے زندگی بسر کرنا پڑتی ہے۔ وہ ان سلاخوں سے باہر نکلنے میں بے اختیار نظر آتا ہے۔ ''کلوا'' میں کتا اپنی وفاداری کی سرشت آگے مجبور ہے۔ ''بیرو'' میں نیل گائے اپنے گلے سے کنٹھا اتارنے سے قاصر ہے۔ اسے اس حقیقت کا علم ہی نہیں ہو پاتا کہ وہ اس کنٹھے کی وجہ سے اپنے ہم جنسوں سے دور ہے۔ ''گوری ہو گوری'' میں سب انسانی اور حیوانی کردار قدرتی آفت کے آگے مجبور نظر آتے ہیں۔ ''آئینہ حیرت'' میں بندریا کو ناحق اپنے بچے کی قربانی دینا پڑی۔ ''ہر فرعونے راموسی'' میں انسان کی گولی ہاتھی کو ظالم و جابر بنا دیتی ہے۔ اس نے ایسی کوئی حرکت نہ کی تھی کہ اسے ایک انسان کی گولی کھانا پڑتی۔ ''شیریں فرہاد'' میں بلی اور بلا بغیر کسی جرم کے ایک کمرہ نما جیل میں مقفل ہو گئے۔ ''بے زبان'' میں گھوڑی کو بغیر اس کی مرضی کے اس کی مالکن سے جدا کر کے سرکس میں بھیج دیا جاتا ہے۔ مذکورہ تمام افسانوں میں حیوانی کردار دہرا ستم سہتے ہیں۔ وہ قدرت کے جبر کو سہنے کے ساتھ ساتھ انسانوں کے ستم کا بھی شکار ہوتے ہیں۔ ان تمام افسانوں میں جانوروں کی موت کا سبب انسان ہی بنتے ہیں۔ انسان ہی جانوروں کی زندگی میں مداخلت کر کے ان کی زندگی تباہ کرنے میں پہل کرتے ہیں۔ ردعمل میں شیرنی آدم خور ہوتی ہے۔ نیل گائے ریچھ اور شیر کو ایک جھٹکے سے ہزاروں فٹ کی بلندی سے نیچے گرا دیتی ہے۔ بندریا انسان کا بچہ لے بھاگتی ہے۔ ہاتھی ظلم کی علامت بنتا ہے۔ فرہاد شیریں کی جدائی میں پاگل ہو جاتا ہے۔ گھوڑی کے پاؤں لڑکھڑاتے اور وہ زمین پر پٹخنی کھا کر سر

پاش پاش کر بیٹھتی ہے۔ رفیق حسین کے حیوانی کرداروں کا ان کے انسانی کرداروں سے موازنہ کیا جائے تو ان کے جانور انسانوں کی نسبت قوانین وضوابط کے زیادہ پابند نظر آتے ہیں۔ جانور انسانوں کی نسبت زیادہ بے ضرر ہوتے ہیں۔ جانور کم لالچی ہوتے ہیں۔ وہ ضرورت کے تحت شکار کرتے ہیں۔ دیر تک جمع کرنے کی خاطر نہیں۔ انسانی وجود جانوروں کے لیے بے ضرر ثابت نہیں ہوا۔ انسان جانوروں اور پرندوں کو قید کرتا ہے۔ ان کا گوشت کھاتا ہے۔ موجودہ سماج میں بھی سڑکوں پر جا بجا مختلف جانوروں کی لاشیں اگر کسی حد تک جانوروں کی اپنی غلطی کی سزا کی عکاسی کرتی ہیں تو کسی حد تک انسان کی بے احتیاطی کی بھی۔

جانور کی جانور سے محبت کی مثالوں میں سید رفیق حسین کا افسانہ ''شیریں فرہاد'' قابل ذکر ہے۔ جس میں فرہاد شیریں کو مجبوراً کھانے کے بعد پاگل ہوجاتا ہے۔ ''صرف ایک کتا'' کالندی چرن گرہی کی اڑیا کہانی ہے۔ جسے محمد علی خان نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ افسانے میں دو حیوانی کرداروں جولی (ہرنی) اور البین (کتے) کی محبت نمایاں ہے۔ تیسرا کردار ان دونوں جانوروں کا مالک ہے۔ جو زمیندار ہے۔ زمیندار ہرنی کو ذبح کر کے میزبان کی ضیافت کرتا ہے۔ نتیجے میں کتا بھوکا رہنے لگتا ہے۔ وہ ہرنی کو ڈھونڈنے نکلتا ہے اور واپس نہیں آتا۔

سید محمد اشرف کے حیوانی کردار انسانوں سے نالاں نظر آتے ہیں۔ اردو افسانے میں کہیں پر بھی جانور انسان کے دشمن کے طور پر نہیں آیا؛ سید محمد اشرف کے ناولٹ ''نمبردار کا نیلا'' میں یہ صورت حال پیدا ہوئی ہے تو اس کا ذمہ دار بھی انسان ہے، جانور نہیں۔

اردو افسانہ جانوروں ہی کی انسانوں کے ساتھ محبت کی نمائندگی نہیں کرتا؛ بلکہ چند انسانی کردار بھی جانوروں اور درختوں سے انتہا کی محبت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ (ان افسانوں کی مثالیں پہلے آچکی ہیں۔ مثلاً سید علی عباس حسینی کا افسانہ ''رفیق تنہائی'')۔

ہمارے ساتھ بسنے والی مخلوقات اور ہمارے مقدر میں آنے والی کہانی میں کس قدر مماثلتیں ہیں ان مماثلتوں کی طرف بھی بعض ادیبوں نے گہرے احساسات کے ساتھ توجہ دلائی ہے۔ امریکی مصنف مائیک ڈونا ہیو ایک روز اپنے اڑھائی سالہ بیٹے کے ساتھ جنگل کے راستے سے گزر رہے تھے کہ ان کے بیٹے نے ایک بوڑھے درخت کو زمین پر گرے ہوئے دیکھ کر پوچھا کہ یہ سب کیسے ہوگیا؟ اس سوال کے جواب میں مصنف وہ کہانی لکھتا ہے جو ازل سے ساری مخلوقات کے لیے دہرائی جارہی ہے۔ آصف فرخی نے اس

کہانی کو ''درخت کے موسم'' کے عنوان سے اردو روپ دیا ہے۔ یہ کہانی ایک بیج کے کونپل، کونپل کے پودے اور پھر درخت بننے کی کہانی ہے۔ یہ کہانی ایک صنوبر کے درخت کے بچپن، لڑکپن، جوانی، بڑھاپے، موت اور موت کے بعد پھر ایک نئی زندگی کی کہانی ہے۔ یہ کہانی وہی کہانی ہے جو پرانی ہونے کے باوجود آج تک نئی کہانی ہے۔ یہ کہانی بہ ظاہر ایک درخت کی کہانی ہے؛ مگر اس پر غور کیا جائے تو یہ فطرت میں موجود تمام مخلوقات کی کہانی ہے:

> ''وہ دن بھی تھے جب میری شاخیں تیز ہواؤں، برف کے طوفانوں اور آندھیوں کا مقابلہ کرسکتی تھیں۔ سورج کی تیز کرنوں کا راستہ روک سکتی تھیں۔ ان دنوں تم سب میری چھاؤں میں رہتے تھے۔ تم میرے سامنے بیج سے پھوٹے۔ کونپل بن کر زمین سے نکلے، پودے سے درخت بنے۔ جب تمھاری شاخیں بڑھنے پھیلنے لگیں اور ان کو بڑھنے پھیلنے کے لیے جگہ کی ضرورت پڑی تو میں نے اپنی شاخوں کو ٹوٹ کر زمین پر گرنے دیا۔ تم کو کھلی ہوا کی ضرورت مجھ سے زیادہ ہے۔ آنے والا موسم تمھارا ہے۔''(۷)

فطرت کا اصول ہے کہ مخلوقات پیدا ہوتیں، جوان ہوتیں، بوڑھی ہوتیں اور اپنے پاس موجود دنیا کو اگلی نسل کے سپرد کر کے چل بستی ہیں؛ مگر اولاد آدم اس اصول کے برعکس دوسری جوان، تندرست مخلوقات کو اپنے مفادات کی خاطر ذبح کرتی ہے۔ انسان نے اپنے ماضی میں انسانوں، جانوروں اور درختوں کو عزت دی تو اتنی دی کہ وہ عزت توہم کے کارخانے کو مزید توہم زدہ کر دینے کے مرادف ٹھہری۔ مثلاً

> ''قدیم زمانے میں درختوں کی پرستش کس قدر سنجیدگی کے ساتھ ہوتی تھی، اس کا کچھ اندازہ اس ظالمانہ سزا سے ہوتا ہے جو قدیم جرمن قوانین میں کسی درخت کی چھال اتارنے والے کے لیے مقرر تھی۔ اس قانون کے بموجب ایسے مجرم کی ناف کاٹ کر نکال لی جاتی اور اس درخت میں ٹھونک دی جاتی جس کی چھال اتارنے کا وہ مرتکب ہوتا۔ پھر اس کو درخت کے اطراف ہانکا جاتا تا آں کہ اس مجرم کی ساری انتڑیاں اس کے تنے سے لپٹ جاتیں۔''(۸)

اردو افسانہ بھی غیر انسانی مخلوقات کے ساتھ انسانوں کے نوع بہ نوع متوازن اور غیر متوازن تعلق کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ اردو کے افسانوی کردار غیر انسانی مخلوقات سے کہیں کشمکش کا، کہیں ملکیت کا، کہیں

جھوٹی تسکین کا، کہیں فائدے کا اور کہیں واقعی حقیقی محبت کا تعلق قائم کرتے ہیں۔ دوسری جانب اردو افسانے کے غیر انسانی افسانوی کردار انسانوں سے کہیں غصے، دفاع اور مزاحمت کا، کہیں مجبوری و بے اختیاری کا اور کہیں محبت کا تعلق قائم کرتے ہیں۔

کہیں انسان ان مخلوقات کو انسانوں سے بھی زیادہ اہمیت دے چھوڑتا ہے تو کہیں انھیں انسانوں کے مدمقابل بے حیثیت سمجھتا ہے۔ مثلاً اشفاق احمد کے افسانہ ''ننگ ناموس'' کا مرکزی کردار ایک کتیا کو اپنی گھر والی سے بھی زیادہ قابل عزت سمجھتا ہے۔

کرشن چندر کے افسانہ '' جامن کا پیڑ'' میں ایک انسان کی جان کو ایک گرے ہوئے پیڑ سے ارزاں سمجھا جاتا ہے؛ لیکن مجموعی طور پر اردو میں ایسے افسانوں کی تعداد زیادہ ہے جن میں انسان دوسری مخلوقات کی زندگی اور موت کی کوئی پروا نہیں کرتا۔

محمود احمد قاضی کے افسانہ '' پرندے کی فریاد'' میں شکاری شرط لگا کر پرندوں کو آسمان پر اڑاتے ہیں۔ ایک پرندے کی پہلی اڑان تھی کہ وہ تھک ہار کر اپنی چھتری کے قریب پہنچتا ہے تو ہش ہش کی آوازیں اسے پھر اڑا دیتی ہیں۔ وہ اپنی جان سے چلا جاتا ہے۔ آدمی نے اپنے ساتھ بسنے والی مخلوقات کو کئی شکلوں میں نقصان پہنچایا ہے۔ اس افسانے میں وہ اپنے شوق اور ضد کی تسکین کی خاطر پرندے کی جان لے لیتا ہے۔

آصف فرخی کے افسانہ '' پرندے کی فریاد'' میں بیان کنندہ کی گاڑی میں روز پیسوں کی خاطر پرندوں سے بھرا پنجرہ پھینک دیا جاتا ہے۔ بیان کنندہ اپنی حساسیت کے باعث روز پنجرہ خرید لیتا اور پھر پرندوں کو آزاد کر دیتا ہے۔ ایک طرف آدمی پرندوں پر رحم کھا رہا ہے اور دوسری طرف متناقضاتی طور پر آدمی ہی انھیں قید کر کے ان سے اپنی روزی کما رہا ہے۔ بیان کنندہ دنیا میں اپنی اور پرندے کی حالت دیکھ کر دونوں کو پنجرے میں قید سمجھتا ہے۔

مرزا اطہر بیگ کے افسانہ '' کیا گھوڑے پر ظلم ہو رہا ہے؟'' میں محکمہ انسداد بے رحمی کے دو آدمی کوچوان مولا بخش کے بہ ظاہر کمزور نظر آنے والے گھوڑے کو غیر صحت مند قرار دے کر مولا بخش کو اس قدر مارتے ہیں کہ اس کی موت ہو جاتی ہے۔ جانور پر رحم کھاتے کھاتے آدمی کی جان لے لیتے ہیں۔ اردو افسانہ انسانوں، جانوروں، درختوں اور پرندوں کے آپس کے تعلق سے متعلق طرح طرح کے تضادات کو سامنے

لاتا ہے۔

آصف فرخی کے افسانہ ''بونسائی'' میں آدمی اپنے شوق کی خاطر ایک پودے کو تاروں میں جکڑ دیتا ہے۔آصف فرخی ہی کے افسانہ ''کھجور کا درخت'' میں کھجور کے درخت کو تن تنہا، ایک اجنبی جگہ پر لگا دیا جاتا ہے اور اس کے پتوں کو سمیٹ کر باندھ دیا جاتا ہے۔اس درخت کی تنہائی اور قید کے درد کو افسانے کا راوی اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔

جانوروں، درختوں اور پرندوں کی زندگی کی انسانی ہاتھوں سے موت اردو افسانے کا اہم موضوع ہے۔اردو کے کئی افسانہ نگاروں نے غیر انسانی مخلوقات کے حق آزادی کے معاملے اور ان کی قبل از وقت غیر فطری موت کے دکھ کو اپنے افسانوی کرداروں کے ذریعے محسوس کیا ہے۔

مجموعی طور پر غیر انسانی مخلوقات کو لے کر اردو میں بالعموم دو طرح کے افسانے لکھے گئے ہیں۔ ایک وہ جن کے مرکزی کردار صرف جانور اور انسان ہیں۔ پریم چند، انتظار حسین، سید رفیق حسین، اشفاق احمد، احمد جاوید، منشا یاد اور سید محمد اشرف کے افسانے اس ضمن میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔دوسرے وہ جن کے مرکزی کردار درخت، پرندے اور انسان ہیں۔ جوگندر پال، صادق حسین، اختر اورینوی، کرشن چندر، مسعود اشعر، اکرام اللہ، مستنصر حسین تارڑ، منشا یاد، رشید امجد، اقبال مجید، آصف فرخی اور ناصر عباس نیر کے چند افسانے اس حوالے سے قابل ذکر ہیں۔

انسانوں اور جانوروں کی محبت کی کہانیوں کی نسبت اردو میں غیر انسانی مخلوقات کی زندگی اور آزادی کی انسانی ہاتھوں سے موت اردو افسانے کا زیادہ حصہ بنی ہے۔اردو کے کئی افسانہ نگاروں نے غیر انسانی مخلوقات کے حق آزادی کے معاملے اور ان کی قبل از وقت غیر فطری موت کے دکھ کو اپنے افسانوی کرداروں کے ذریعے محسوس کیا ہے۔مثلاً اردو میں درختوں سے متعلق زیادہ افسانے وہ ہیں جن میں درختوں کے کٹنے کا ذکر ملتا ہے۔

اکرام اللہ کے افسانہ ''برگد'' میں برگد کے درخت کو فرنگی فوج کے بیس ہندوستانی جوان ریلوے لائن بچھانے کی غرض سے کاٹ ڈالتے ہیں۔ برگد کے کٹنے پر گاؤں کے تمام لوگ گھروں بیٹھے روتے ہیں۔ گاؤں کے اس برگد پر گلہریوں، طوطوں، میناؤں، بلبل، فاختاؤں، کوؤں اور چڑیوں ہی دنیا آباد نہیں تھی؛ بلکہ اس برگد کے ساتھ گاؤں کے لوگوں کا بھی گہرا تعلق تھا؛ یہی وجہ تھی کہ گاؤں کے چودھری کے کہنے کے باوجود

بھی مزدور برگد پر کلہاڑا چلانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ افسانے کے تمام کرداروں ، پرندوں، برگد اور انسانوں کا ایک دوسرے سے مکالماتی رشتہ ہے۔ سب کردار ایک زندہ، صحت مند ماحول میں سانس لیتے کردار ہیں؛ مگر پرندے انسانی ارادوں سے ڈرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مثلاً طوطے اور مینا کے درمیان ہونے والا مکالمہ انسان کی اس دنیا پر تخریب کاری کی صورت حال کو سامنے لاتا ہے:

''انسان دنیا کو میدان جنگ سمجھتا ہے۔ جب سے اتارا گیا ہے لڑ رہا ہے۔ سب سے۔۔
۔ جہاں انسان ہو وہاں امن نہیں ہوسکتا اور وہ ہر طرح سے اس دنیا کا مالک بن چکا ہے۔
جہاں چاہے جب چاہے فساد کرتا ہے۔ ہم جیتے جی کرہ ارض چھوڑ کر کہاں جاسکتے ہیں۔''
(۹)

مسعود اشعر کے افسانہ ''بچھڑے کا گیت'' میں پاور لائن بچھانے کی خاطر درخت کو کاٹ دیا جاتا ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار بھی درخت کے کٹنے پر شدید غصے اور رنج کا اظہار کرتا ہے۔

منشا یاد کے دو افسانوں میں درختوں کے کٹنے کا ذکر ملتا ہے۔ افسانہ ''درخت آدمی'' میں کوٹھی کے عقبی حصے میں توسیع کی خاطر پہلے آڑو، ناشپاتی، لوکاٹ اور خوبانی کے پیڑ کاٹے جاتے ہیں۔ پھر عمارت کی بنیادوں ہی کو بچانے کی خاطر آم کا پیڑ بھی اس شخص کے ہاتھوں سے کٹوا دیا جاتا ہے جس کے جذبات اس پیڑ کے ساتھ گہرے طور پر وابستہ ہوجاتے ہیں۔ مرکزی کردار کرموکی چیخ اور خون میں لت پت اس کا جسم اس کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے۔

افسانہ ''ننگا پیڑ'' کے کردار لالچ کی بنا پہ ایک شفا بخش درخت کے پتوں ، چھال، ٹہنیوں اور پھر پورے درخت ہی کو جڑ سے اکھاڑ کے لے جاتے اور اسے سکھا اور پیس کر آپس میں برابر تقسیم کر لیتے ہیں۔ اس درخت کے جڑ سے اکھڑنے پر کسی کا کوئی ردعمل سامنے نہیں آتا؛ مگر فطرت کا اپنا ردعمل سامنے آتا ہے کہ فطرت نوع انسانی کی ہمدردی کے بغیر بھی خود کو، خود سے جڑی ہوئی دوسری مخلوقات کو زندہ رکھنا جانتی ہے۔ ننگے پیڑ کی ایک جڑ زندہ رہ جاتی ہے اور نئے موسم میں وہی جڑ پھر درخت بن جاتی ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کے افسانہ ''درخت'' کا لکڑہارا بھی اپنے فائدے کی خاطر سفیدے کے درخت کو کاٹ ڈالتا ہے ۔ اس درخت کی بھی ایک رگ باقی رہ جاتی ہے۔

اختر اورینوی کے افسانہ ''ایک درخت کا قتل'' کا ٹھیکیدار بھی درخت اس لیے کاٹ ڈالتا ہے کہ اس

کی لکڑیاں بیچ کر منافع چاہتا ہے۔اس درخت کا تنا بھی باقی رہ جاتا ہے جو پھر ہرا بھرا ہو جاتا ہے۔

ناصر عباس نیر کے افسانہ ''درخت باتیں ہی نہیں کرتے۔۔۔'' کے مرکزی کردار کے دادا کو گھر میں چار کمروں کا اضافہ کرنے کی خاطر پچاس درختوں کو بیچنا پڑتا ہے۔ان درختوں کے کٹنے پر وہ دادا ہی اپنے دل میں بوجھ محسوس نہیں کرتے؛ بلکہ وہ پرندے بھی چیختے ہیں جن کے آہلنے تباہ ہو جاتے ہیں۔

محمد حسن رائے کے افسانہ ''ادھ کھلی آنکھ'' کا کردار (بڑا بھائی) اپنے گھر کی نمائش کی راہ میں رکاوٹ نیم کے درخت کے ٹہنوں کو کٹواڈالتا ہے۔ردعمل میں چھوٹا بھائی اپنے کمرے میں بند ہو کر روتا ہے۔

احمد داؤد کے افسانہ ''جڑیں''میں باغ کی بارہ دری میں پولیس اسٹیشن بنانے کی خاطر باغ سرداراں اجاڑ دیا جاتا ہے۔یاد رہے کہ ہر مخلوق اپنے اوپر ہونے والے ظلم کے بدلے میں، کسی نہ کسی شکل میں کوئی ردعمل ظاہر کرتی ہے؛مگر پودے اور درخت اپنے آپ پر ہونے والے مظالم کے خلاف کسی قسم کا کوئی ردعمل ظاہر نہیں کر پاتے۔شاید یہی وجہ ہے کہ اردو کے کچھ ماحول دوست افسانوی کردار درختوں کے کٹنے پر اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔ مزید برآں اردو افسانہ نگاروں نے درختوں کے بے ضرر، خاموش،خوبصورت، بابرکت، سایہ دار،شفا بخش، اپنے اور دیگر مخلوقات کے محافظ و معاون ہونے سمیت کئی روشن پہلوؤں کو بھی خاص طور پر نمایاں کیا ہے۔فنی اعتبار سے اردو افسانے میں جانوروں، درختوں، پرندوں اور حشرات الارض کا ذکر تشبیہ، استعارے،ضرب المثل اور علامت کے طور پر بھی آیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، اردو کی نثری داستانیں، جلد دوم (کراچی: انجمن ترقی اردو، س ن)، ص ۲۲

۲۔ ابن حنیف، دنیا کا قدیم ترین ادب، جلد دوم (ملتان: بیکن بکس، ۱۹۸۷ء)، ص ۵۱۹

۳۔ محمد عمر میمن، مترجم، فنِ فکشن نگاری، جلد دوم (کراچی: مکتبہ دانیال، ۲۰۱۶ء)، ص ۸۲

۴۔ راجندر سنگھ بیدی، مکتی بودھ (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ، ۲۰۱۱ء)، ص ۱۳۵

۵۔ خالدہ حسین، میں یہاں ہوں (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء)، ص ۴۰

۶۔ اشفاق احمد، ایک ہی بولی (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)، ص ۸۷

۷۔ مائیک ڈونا ہیو، درخت کے موسم، مترجمہ آصف فرخی (کراچی: فضلی سنز، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۷

۸۔ سر جیمز جارج فریزر، شاخ زریں، جلد اول، مترجمہ سید ذاکر اعجاز (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۱ء)، ص ۲۲۶

۹۔ اکرام اللہ، باردگر (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۵ء)، ص ۲۱۸